Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

عامر بشیر ❁
رائے عامر علی ❁❁
آمنہ سیّد ❁❁❁

اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو ادب میں تانیثیت

Feminism in 21st Century Pakistani Urdu Literature

By Aamir Basheer, *Research Scholar, Dept. of Urdu, Rifah International University, Faisalabad Campus*
Rai Aamir Ali, *PhD Scholar, Muslim Youth University, Islamabad*
Amina Syed, *PhD Scholar, International Islamic University, Islamabad*

Abstracts

Literature, a vital interpreter of societal narratives, unveils cultural intricacies often overlooked. In poetry and prose, the exploration of womanhood vividly portrays women's resilience, contributing to societal progress. Modern literature, with feminism as a driving force, narrates societal construction amid injustices. Influential figures like Sir Syed Ahmad Khan shape Urdu literature, advocating for women's rights. The distinction

❁ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، رفاہ انٹرنیشنل یونی ورسٹی، فیصل آباد کیمپس
❁❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، مسلم یوتھ یونی ورسٹی، اسلام آباد
❁❁❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

between Western and Eastern feminism is pivotal in 21st century literature, providing a nuanced exploration of women's experiences. Authors like Kishwar Naheed, Fahmida Riaz, and others challenge societal norms in the evolving gender dynamics landscape. The persistent tradition of addressing feminism in Urdu literature reflects the eloquence of writers, emphasizing the need to discern disparities between Eastern and Western cultures, societal norms, and genuine freedoms granted to women in Muslim societies.

Keywords: Feminism, Society, woman, exploitation, male domination, injustice, Deprivation.

ادب کسی بھی معاشرے کی اقدار اور روایات کا ترجمان ہوتا ہے، اسے زندگی کا عکاس بھی تصور کیا جاتا ہے۔ یہ جہاں معاشرتی اقدار و روایات کا ترجمان ہے وہیں تہذیب و تاریخ کا امین بھی ہے۔ کسی بھی خطے کی ثقافت اور تہذیب سے شناسائی کا قابل اعتماد ذریعہ ادب کا مطالعہ ہے۔ یہ معاشرے کی مثبت اور منفی اقدار کے ان پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتا ہے جو عام انسانوں کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ معاشرتی عکاسی کی اس ترجمانی میں ادب کی دونوں اصناف؛ نثر اور شاعری شانہ بشانہ نظر آتی ہیں۔ اردو ادب جو انگریزی، فارسی اور عربی کے مقابلے میں کم سن ہے لیکن اپنے معیار و مقدار سے نہ صرف اپنے وجود کا احساس دلا رہا ہے بلکہ اپنی شناخت اور اہمیت کو روز بروز بڑھا رہا ہے۔ ادب ہر دور کے رجحان سے نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ اس کے اثرات اپنے قارئین پر بھی ڈالتا ہے، اس ضمن میں یہ آئندہ نسلوں کے لیے تاریخ کا کام بھی کرتا ہے۔ اردو ادب بھی اپنے ارتقا سے آج تک کبھی اصلاحی رجحان کے تابع تخلیق ہوا تو کبھی اس نے ساختیات، پس ساختیات کے ساتھ ساتھ جدیدیت اور نئی تنقید کے اثرات کو اپنے اندر سمویا، کبھی اس نے ترقی پسندیت کا لبادہ اوڑھا تو کبھی مزاحمتی عناصر کو پروان چڑھایا۔ عورت ادب کی دونوں صورتوں؛ شاعری اور نثر میں بنیادی ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ دور جدید میں عورت کے مسائل و مشکلات، معاشرے کی پابندیوں اور پدرسری خاندانی نظام میں ظلم و استبداد کو برداشت کرتے ہوئے معاشرے کی تعمیر و ترقی کے سفر کو جاری رکھنے کی داستان کو ادب میں پذیرائی دینے کا سہرا اگر کسی تحریک یا رجحان

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کے سر جاتا ہے تو وہ تا ، مد ہب ہے، جسے انگریزی میں Feminism کا نام دیا ہے۔

فہ مہ رم لاطینی لفظ "فیمینا" (Femina) سے مستعار ہے۔ یہ اصطلاح انگریزی زبان و ادب میں ایک مخصوص معنی میں رائج ہو چکی ہے۔ جس کے معنی لاطینی زبان میں "عورت" فرانسیسی میں "عورتوں کے حقوق" اور انگریزی میں "جنسی برابری" کی تحریک کے لیے مستعمل ہیں۔ موجودہ تناظر میں یہ اصطلاح خواتین کے حوالے سے ان کے حقوق کی پہچان اور معاشرے میں مردوں کی طرح عورتوں کی انفرادیت کو اجاگر کرنے کے ضمن میں تحریک کی صورت نظر آتی ہے۔ قومی انگریزی لغت میں اس کے بارے میں مصنف یوں رقم طراز ہے:

> نظریہ حقوق نسواں؟ تحریک نسواں؛ یہ نظریہ کہ سماجی اور سیاسی لحاظ سے عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہونے چاہیں، ایسے حقوق حاصل کرنے کی تحریک۔[1]

ء میں ۱۹ میری وو اسد ب کرافٹ نے جو کتاب لکھی اس کا نام "عورتوں کے حقوق کی حمایت" تھا لہٰذا انھیں "تحریکِ نسواں" کی بانی قرار دیا جاتا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں برطانوی دانش ور "ورجینیا وولف" جنھیں یت کے اولین ام برداروں میں شمار کیا جاتا ہے نے اپنے مضمون A Room of One's Own میں خواتین کے بارے میں مردوں کے غیر منصفانہ رویے کی نشاندہی کی تھی کہ مردوں نے خواتین کو اپنے سے کم تر سمجھا ہوا ہے اور معاشرے میں اس کے کردار کا تعین کیا ہے۔ اسی لحاظ سے اس کی معاشی حدود و قیود کا بھی تعین کیا ہے۔ انیسویں صدی کے عظیم شاعر کولرج نے شیکسپیئر کی ادبی قدر و منزلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ 'تمام نابغہ ہائے روزگار ذہنی طور پر مردوں اور عورتوں دونوں کی خصوصیات سے مالامال ہوئے ہیں۔'

ورجینیا وولف کولرج کے نظریے کی تائید کرتے ہوئے کہتی ہے کہ خواتین دانش ور اساتذہ اور نقاد اپنی علمی اور ادبی صلاحیت سے آنے والی خواتین کی راہ ہموار کر سکتی ہیں اور اگر ایسا کریں تو خواتین میں سے بھی کوئی شیکسپیئر جیسی پیدا ہو سکتی ہے۔

نسوائی تنقید کی ترقی کا دور ۲۰ویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دہائی ہے، یہ وہ دور ہے جس میں ساختیات کو فروغ ملا۔ حقوقِ نسواں کی تنقید مردوں کی مرکزیت کو چیلنج کرتی ہے۔ حقوقِ نسواں خواتین کے شعور کی پیداوار ہے۔ میری ولسٹون کرافٹ (Mary Wollstone Craft) کی کتاب A Vindication of the Rights of Woman تحریک نسواں کو تقویت دینے میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ نسائی تنقید کی ترقی کا دور ۲۰ویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دہائی ہے، یہ وہ دور ہے جس میں ساختیات کو فروغ ملا۔ حقوقِ نسواں کی تنقید مردوں کی مرکزیت کو چیلنج کرتی ہے۔

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

حقوقِ نسواں خواتین کے شعور کی پیداوار ہے۔

اس ضمن میں انگریز مصنفین ورجینیا وولف (Virginia Wolf)، ریبکا ویسٹ (Rebecca West)، سیمون دابووار (Simone De Beauvoir) اور ڈورو تھی رچرڈسن (Dorothy Richardson) کی تحریروں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تحریک کے دورِ آغاز کے ضمن میں اردو ادب میں سر سید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ راشد الخیری کی تحریروں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ حقیقی معنوں میں عورتوں کے حقوق اور ان کے مسائل کو اجاگر کرنے کا سہرا ڈپٹی نذیر احمد کے سر جاتا ہے، جنھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے نہ صرف عورتوں کی تعلیم و تربیت کو اجاگر کیا بلکہ عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عورتوں کے کردار کو بھی سراہا۔ خواتین میں اپنے حقوق کی بازیابی اور معاشرتی و سماجی حیثیت منوانے کے حوالے سے جو شعور اور سوچ پیدا ہوئی اسے تحریک کا نام دیا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشرف کمال:۔

> انیسویں صدی کے وسط سے لے کر بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک خواتین کے حقوق کے لیے سیاسی جدوجہد کو حق رائے دہی کی پہلی لہر کہا جاتا ہے۔[۲]

تاہم تحریک کی دوسری لہر جنگِ عظیم دوم سے ۱۹۸۰ء تک محیط ہے جب کہ اس کی تیسری لہر بیسوی صدی کی آخری دو دہائیوں میں سامنے آئی۔

اردو زبان و ادب دنیا کی تمام بڑی زبانوں اور ان کے ادب میں پائے جانے والے رجحان سے متاثر ہوا ہے۔ اردو زبان و ادب کی شاعری میں قصیدہ عربی سے اور سانیٹ حالان سے آیا ہے تو نثر میں افسانہ انگریزی سے داخل ہوا۔ عالمی اور مقامی سطح پر ابھرنے والی تحریکوں نے بھی ادب پر داخلی اور خارجی اثرات ڈالے جو فکری اور موضوعاتی تناظر میں تنوع کا سبب بنے ہیں اور اس سے وابستہ تحریکوں کے منشور کا مشترکہ نکتہ نظر یہ ہے کہ ان تحاریک کے معرض وجود میں آنے کا سبب مرد کا ظلم، جبر اور استحصال ہے، لہٰذا ان ست تحاریک کا بنادی مدعا مقصد بھی یہی ہے کہ ان کے ذریعے عورتوں پر ہونے والے مردانہ و معاشرتی ظلم، استبداد، ناانصافیوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ عورتوں میں پوشیدہ صلاحیتوں کو منظر عام پر لانا ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ آج جو لوگ (فیمنزم) کو عورتوں کی حقوق کی ترجمان اور واحد علمبردار سمجھتے ہیں ان کو تاریخ کے اوراق کا سرسری مطالعہ کرنا چاہیے۔ تاریخ انسانی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں انسان قبائلی زندگی گزارنے، غاروں اور جھونپڑیوں میں گزر بسر کرنے پر اکتفا کیے

Bi-Annual URDU ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ISSN: 2708-1915 (Online)

ہوئے تھا۔ اس خاندانی نظام کا محور و مرکزیت عورت کی ہی ذات تھی جس میں ماں کا کردار کسی بھی مردانہ رشتے (باپ، بھائی، بیٹے) سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ یوں اس مادر سری نظام میں عورت کو مرکزیت اور فوقیت حاصل تھی۔ قدیم یونان جو علم و ادب اور حکمت و فلسفے کا علم بردار تھا میں عورتوں کو علم و فہم اور تفکر و تدبر میں مردوں سے کسی بھی صورت کم تر نہ سمجھا جاتا تھا، عظیم یونانی فلسفی فیثا غورث کی بیوی اور بیٹیاں اپنے علم و فکر کی بدولت سرکاری سطح پر بلند مرتبوں پر فائز تھیں۔ یوں عورت ذات کی صلاحیتوں کے اظہار کا عملی نمونہ ملتا ہے۔ سیمون دی بوا کے بقول:

> تاریخ میں اس معاشرے میں Great Mother کا تصور ملتا ہے۔ Susa اور Creta کے علاقوں میں کھدائی کرنے پر نسوانی دیویوں کے بُت برآمد ہوئے ہیں۔[۳]

اس مادری خاندانی نظام کے بعد انسان کی صلاحیتوں کا اظہار اس کی عملی محنت کی صورت میں ہوا، اس طرح معاشی نظام کی مرکزیت اس میں مرتکز ہو گئی اور باپ خاندانی نظام میں پہلا اور نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ماں کی. لہٰذا، انسانی سماجی نظام مادرانہ نظام سے پدرانہ نظام کی طرف منتقل ہوا۔ اس طرح؛ خواتین کی حیثیت بتدریج اسسٹنٹ سے نوکر تک بڑھتی گئی۔ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب میں عورت کو ہمیشہ کمتر، گناہ کا پلندہ، اور حقیر گردانا ہے۔ اسلام ہی کی بدولت عورت کو اس کا اصلی مقام ملا۔ اسلام نے عورت کے قدموں تلے جنت رکھ کر بھائی اور بیٹے کو اس کے تابع کر دیا۔ صحیح معنوں میں عورت کے حقوق کو سلف مغرب میں کیا گیا، لہٰذا موجودہ تصور شناخت میں دیکھا جائے تو تا ۔ مد ہب جس کے سوتے انقلاب فرانس سے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ انقلاب فرانس کے ابتدائی دنوں میں جہاں تمام شعبہ ہائے زندگی میں تغیر و تبدل ہو رہا تھا خواتین نے بھی اپنے حقوق کے لیے بل پیش کیا جب یہ منظور نہ ہوا تو خواتین میں بیداری کی لہر دوڑ گئی تو خواتین کی بڑی تعداد حقوق نسواں کی چیمپئن بن کر میدان میں اتری۔ خواتین کی اس جدوجہد نے جس تحریک کی شکل اختیار کی وہ حقوق نسواں کے نام سے مشہور ہوئی۔ انیسویں صدی کی تیز رفتار ترقی نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا، چنانچہ یہ تحریک فرانس سے جرمنی اور امریکہ تک بھی پھیل گئی۔ اس تحریک کی شدت نے بہت سے ممالک کو عملی قدم اٹھانے پر مجبور کیا، جس کے نتیجے میں حقوق نسواں کے بل پاس ہونے لگے۔ کشور ناہید اس حوالے سے روس کے انقلاب کو بہت اہمیت دیتی ہیں جس کی بدولت خواتین کے حقوق کو نہ صرف سرکاری سطح پر تسلیم کیا گیا بلکہ اس کے لیے عملی اقدامات بھی سامنے آنے لگے۔ اس ضمن میں وہ لکھتی ہیں:

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

> سوویت یونین میں خواتین کو معاشی، ریاستی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔[4]

تا ید یت کی تحریک کے حوالے سے پوری دنیا میں آنے والی تبدیلیوں کا اثر اردو ادب پر بھی ہوا۔ اردو میں تانیثی رویے کا نقطۂ آغاز بیسوی صدی کے چھٹے عشرے کو مانا جاتا ہے ید یت جس کا نقطۂ آغاز مغرب سے ہوا مگر ہمارے معاشرے میں اس کا اصل سبب پدر سری نظام خاندان ہے جہاں عورت کی کمزوریوں اور خامیوں کو اجاگر کر کے مرد کے مرہون منت رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جب اس کی انفرادیت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ کیا عورت صرف مرد کی خدمت کرنے پر ہی مامور کی گئی ہے؟ کیا اس کی تمام خوبیاں اور اس کی صلاحیتیں صرف مرد کو خوش کرنے کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں؟ حقوق نسواں کے نقاد بھی انہی سوالات کے جوابات ادبی نقطۂ نظر سے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کچھ ناقدین اس سلسلے میں بالکل برعکس رویہ اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر نجیبہ عارف لکھتی ہیں:

> حقوق نسواں کی دوسری لہر دوسری جنگ عظیم سے لے کر ۱۹۸۰ کی دہائی تک پھیلی ہوئی تھی، جس میں صنفی مساوات پر زور دیا گیا تھا۔ تیسری لہر بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں ابھری۔ اس کے ساتھ ساتھ انکی امتحان، جسے پوسٹ فیمنزم کہا جاتا ہے، ابھرا، جس نے حقوق نسواں کی گفتگو سے ہٹ کر دیکھا۔[5]

ایک طرف تا ید یت کا تعلق زندگی سے ہے اور دوسری طرف اس کا تعلق ادب سے ہے، لیکن ہمارے اکثر ادبی نقاد، مفکر انشور ا ید یت کا مطلب خواتین کا تخلیق کردہ ادب یا صرف خواتین کے بارے میں لکھا جانے والا ادب سمجھتے ہیں صل روح کی اکے خلاف ہے۔ درحقیقت تا ید یت بنیادی طور پر ایک تصور ہے جو مردوں کی بالادستی اور برسوں سے خواتین پر ہونے والے ظلم و جبر کے خلاف اٹھنے والی آواز ہے۔ اس کے برعکس، نسوانیت اور عورتیت کا تعلق عورتوں کی جسمانی اور حیاتیاتی خصوصیات سے ہے۔ یہ خواتین سے متعلق خصوصیات ہیں جو مردوں اور عورتوں میں فرق کرتی ہیں۔ اس ضمن میں فاطمہ حسن کا نکتۂ نظر سب سے بہترین اور معتدل خیالات پر مبنی محسوس ہوتا ہے:

> فیمنزم اس احساس کا نام ہے کہ معاشرے میں عورتیں مظلوم اور استحصال کا شکار ہیں اور اس صورت حال کو بدلنے کی شعوری کوشش کا نام فیمنزم ہے۔[6]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

تانیثی ادب کے [illegible] کا خیال رکھا جائے کہ مغربی تا[illegible]یت مغرب کے مخصوص سیاسی اور سماجی حالات کی پیداوار ہے۔ اس کے برعکس اردو ادب کے حوالے سے تانیثی رجحانات کی نشاندہی مشرق کے اپنے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور تمدنی حالات کے پس منظر میں ہی کی جا سکتی ہے [illegible] حقوقِ نسواں پر سب سے پہلے لکھے جانے والے ادب اور مصنف کا ذکر کیا جائے تو وہ مولوی نذیر احمد کے ناول ہیں۔ اس دور میں خواتین ادیبوں کی تحریروں کا ایجنڈا کسی خاتون نے نہیں بلکہ ایک مرد نے تیار کیا۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں نہ صرف عورت کے حقوق کی بات کی بلکہ عورت کی پوشیدہ صلاحیتوں کو بھی منظرِ عام کیا۔ انھوں نے اس اپنے ناول "مرأۃالعروس" کے کردار "اصغری" کے ذریعے اردو ادب میں عورتوں کے لیے ایک رول ماڈل پیش کر دیا۔ یہ کردار دینی علوم کے ساتھ ساتھ سائنس، تاریخ، جغرافیہ اور معلومات عامہ کے ذخیرے سے مالا مال تھا۔ مولوی نذیر احمد کے بعد اس دور میں رشیدۃ النساء، اکبری بیگم، محمدی بیگم، صغریٰ ہمایوں مرزا، بیگم شاہنواز، مسز عبدالقادر اور نذر سجاد کے ناول شامل ہیں۔

خواتین کے اردو ادب میں حقوق نسواں کی پہلی واضح آواز عصمت چغتائی کی ہے۔ اس کا لہجہ، لہجہ اور طرز تحریر خالصتاً حقوق نسواں ہے۔ ان کی تحریروں کے موضوعات بھی منفرد ہیں اور سماجی حالات پر ان کا نقطۂ نظر اور ردعمل بھی اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے۔ بیسویں صدی میں جن اردو ادیبوں نے حقوق نسواں کے تحت لکھنے میں بہت تعاون کیا ان میں سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، ممتاز شیریں، جیلانی بانو، بانو قدسیہ، فرخندہ لودھی، رضیہ فصیح احمد اور زاہدہ حنا شامل ہیں۔ مہدی۔ بیسویں صدی میں اردو ادب میں نسوانیت کا ایک اچھا مجموعہ سامنے آیا۔ جس میں خواتین اور مردوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس حوالے سے اردو نثر اور شاعری دونوں مالامال ہیں۔

اکیسویں صدی میں بھی ادب انسانی خیالات کا ترجمان رہا ہے۔ اس ضمن میں ناول تمام اصناف نثر میں بہتر طور پر سامنے آیا ہے۔ ڈاکٹر رانی بیگم اپنے مضمون میں ناول اور ادب کے حوالے سے اکیسویں صدی کے تناظر میں لکھتی ہیں:

> Even in the 21st century, the novel remains the most reliable genre of prose for expressing human psychological and existential problems, as well as geological and social issues.(7)

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025

ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

اکیسویں صدی میں بھی ادبا ۔ ید ش ییب کے تحت تخلیق ہونے والے ادب میں کمی نہیں آئی۔ صنفِ نازک آج بھی ان مشکلات کا شکار ہے جو اسے از منۂ قدیم میں درپیش تھے۔ آج بھی عورت کو سماجی پابندیوں کا سامنا ہے جن میں اسے مرد کی معاون و مددگار سے مطیع و فرمانبردار رہنا پڑتا ہے۔ اس کی اپنی انفرادیت اور تشخص آج بھی راستہ تلاش کر رہی ہے۔ تانیثی ادب میں ان تمام امور کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں خواتین مصنفین نے عورتوں کے حقوق کے لیے اپنے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا جس کے لیے انھوں نے بے باکانہ اندازِ بیان اپنایا لہٰذا اب ان کے لب و لہجے میں بے خوفی کے عناصر واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے اظہارِ بیان میں جرأت اور بلند آہنگ کے بارے میں حقانی القاسمی کی رائے سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا:

> اکیسویں صدی میں تا ۔ ید ش ییب سے جڑی تخلیق کار نہ صرف اپنے شدید جذباتی ردعمل کا اظہار کر رہی ہیں بلکہ ممنوعہ سرحدوں میں داخل ہوتے ہوئے بھی وہ خوف محسوس نہیں کر رہی ہیں۔ وہ بڑی جرات اور جسارت کے ساتھ اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔[8]

کشور ناہید (۳ فروری ۱۹۴۰ء) ایک حساس دل کی مالک شاعر و کالم نگار ہیں جو ملک کے سیاسی اور سماجی حالات پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری ایسی عورت کی شاعری نہیں جو اپنی مظلومیت کا رونا روتی ہے بلکہ ان کی شاعری ایک ایسی باشعور عورت کی شاعری ہے جسے اپنے حقوق کے بارے میں تمام معلومات ہیں لہٰذا وہ اپنے ان حقوق کی حق تلفی پر صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے شعری مجموعے " سوختہ سامانیِ دل" کی نظموں میں اپنا یہ احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔ وہ معاصر عورت کو بھی شعور دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ کشور ناہید نے عورت پر ہونے والے ظلم اور محرومی کا نوحہ نہیں لکھا بلکہ وہ عورت ذات کو بتانے کی کوشش کرتی ہیں کہ تم لوگ بھی ایک زندہ جان ہو۔ گوشت پوست اور احساسِ جذبات رکھتی ہو تم لکڑی یا مٹی کا کوئی بے جان کھلونا نہیں ہو۔ تمھیں سہارے کی تلاش نے معذور بنا کر رکھ دیا ہے، تم خود بھی تو مرد کی ذات کے بغیر خود کو نامکمل سمجھتی ہو۔ اپنی نظم "زبان پہ رکھی مرچ" میں کہتی ہیں:

تم عورتیں بھی ایک اور شخص کے بغیر خود کو نامکمل سمجھتی ہو
وہ شخص لکڑی کا ہو یا پتھر کا
تم اسے قریب رکھنے کے لیے ساری عمر گنوا دیتی ہو

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

تم اس کے لیے سنورتی ہو، کھانے پکاتی ہو
اس کے لیے اپنا نام تک قربان کر دیتی ہو[۹]

نظم کے ساتھ ساتھ کشور ناہید کی غزلوں میں بھی تانیثیت کے واضح عناصر ملتے ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ جس معاشرے میں وہ رہ رہی ہیں اس کی عورت جبر کا شکار ہو کر بھی معاشرتی ناہمواریوں پر نوحہ کناں ہے۔ وہ اس بات پر بھی خفا ہیں کہ معاشرتی ناانصافیوں اور بے اعتدالیوں کا شکار ہو کر صرف عورت ہی کیوں نوحہ کناں ہے:

میں ایک ہاتھ سے دیوار کیسے تھاموں گی
لہو میں غرق ہے دستِ دعا نیام تلک[۱۰]

کشور ناہید نے اپنی نظموں "جاروب کش"، "کلیئرنس سیل"، "میں کون ہوں"، "نیلام گھر" اور "عورت" میں حبس اور گھٹن زدہ ماحول کو بے نقاب کیا ہے۔ انھوں نے عورت کے استحصال، اپنے عہد کی سفاکیوں، مرد کی آمرانہ سوچ، عورت کی بے بسی و بے کسی، مصنوعی اقدار اور معاشرتی دوغلے پن کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ فہمیدہ ریاض اپنے مضمون بعنوان "گلیاں، دھوپ، دروازے" میں کشور ناہید کی کتاب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> کشور ناہید کی تیسری کتاب "گلیاں، دھوپ، دروازے" عصری نسائی آگہی کا وہ نچوڑ ہے جو "بے نام مسافت" اور اس وقت کی دوسری شاعرات کے کلام میں نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ ایسی کتاب ہے جسے بجا طور پر مکمل فیمینسٹ مجموعہ کلام کہا جا سکتا ہے۔[۱۱]

تانیثیت کی تحریک نے انیسویں صدی سے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا شروع کی جس کے نتیجے میں بیسویں صدی میں خواتین پر ملازمتوں کے دروازے کھلنا شروع ہو گئے۔ وہ عورت جو گھٹن اور جبر و استبداد کا شکار تھی اب خود مرضی سے سانس لے سکتی تھی۔ کشور ناہید نے عورتوں کی اس جدوجہد اور مستقبل کے بارے ساری صورتحال کو اپنی نظم "اکیسویں صدی کا زمزمہ" میں بیان کیا ہے۔ کشور ناہید کی شاعری تانیثیت کی تحریک میں اپنا حصہ منفرد انداز میں ڈالا ہے انھوں نے اپنی فکر اور خیال آفرینی سے عورتوں کے احتجاج کو ایک نئی سمت دکھائی ہے۔

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

فہمیدہ ریاض (۲۸ جولائی ۱۹۴۶ء – ۲۱ نومبر ۲۰۱۸ء) ترقی پسند ادیبہ، شاعرہ، اور ایک سماجی کارکن تھیں۔ انھوں نے عورت کو درپیش مسائل کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ آمریت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جس کی پاداش میں انھیں مختلف مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اپنی ایک نظم "مقابلۂ حسن" میں انھوں نے کہا ہے کہ ایک عورت ہونے کے ناطے انھیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کو اپنے ذریعۂ اظہار کے ذریعے موثر انداز میں پیش کرے۔ احساسِ کمتری اور نظر انداز کیے جانے کا درد ان کی تحریروں میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ ان کی نظم "مقابلۂ حسن" اپنے اندازِ بیان کی وجہ سے ایک عرصے تک ناقدین کی تنقید کا نشانہ بنی رہی، حالانکہ یہ اعتراضات محض الفاظ کے چُناؤ سے زیادہ گہرے نہیں ہوتے۔ نظم کا بنیادی موضوع اور بنیاد یہ ہے کہ عورت کو مجسم حسن سمجھ کر اس کی نظموں، تصویروں اور فن کی دوسری شکلوں میں اسے جنسی شے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ ان کے منہ پر طمانچہ ہے۔ ڈاکٹر ثمینہ ندیم فہمیدہ ریاض کی اس نظم کے بارے لکھتی ہیں:

> مقابلہ حسن فہمیدہ کی ایسی نظم ہے جس پر کافی تنقید ہوئی۔ نظم ایسے رویے کے خلاف بھرپور احتجاج ہے جہاں عورت کا جسم ادیبوں، شاعروں اور مصوروں کا موضوع رہا ہے۔[۱۲]

فہمیدہ ریاض نے ایک لڑکی کے جذبات کو اشعار کی صورت میں بیان کیا ہے۔ ان کے اشعار میں جذباتیت کا رنگ غالب ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ عورت کوئی بے جان اور جذبات سے عاری شے نہیں ہے۔ ان کا لہجہ نہ صرف چونکا دینے والا ہے بلکہ انھوں نے ایسی عورت کی تصویر پیش کی ہے جو احساس شعورِ زیست سے بھرپور ہے۔

مجھے ایسا لگتا ہے
تاریکیوں کے لرزتے ہوئے پُل کو
مَیں یاد کرتی جا رہی ہوں
یہ پُل ختم ہونے کو ہے
اور اب
اس کے آگے
کہیں روشنی ہے[۱۳]

Bi-Annual URDU ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ISSN: 2708-1915 (Online)

فہمیدہ ریاض کا تیسرا مجموعہ "دھوپ" موضوعاتی اعتبار سے اپنے اندر وسعت لیے ہوئے ہے جو ان کی فکر اور مشاہدے کی گہرائی اور شعور کے ادراک کی غمازی کرتا ہے۔ اس مجموعے میں ہندی الفاظ کا بھی استعمال ملتا ہے۔ فہمیدہ ریاض نے نسوانی جذبوں کا بے باکی سے اظہار اپنے مخصوص شعری اسلوب میں کیا ہے۔ ان کے اس بے باکانہ اندازِ بیاں کی وجہ سے چند نظموں کو سامنے رکھتے ہوئے انھیں باغی بھی قرار دیا گیا۔ ڈاکٹر صوفیہ یوسف اپنے مضمون میں ان کے بارے رقم طراز ہیں:

> اس کی شاعری میں خود شناسی اور خودداری کا جوہر سامنے آتا ہے۔ فہمیدہ ریاض نے ایسے موضوعات پر لکھا ہے جو بہت تلخ ہیں۔ وہ ان رویوں کے خلاف ہے جو خواتین کو شے سمجھتے ہیں۔ یہ رویے صدیوں سے عام ہیں۔ وہ عورتوں کو غنیمت سمجھتی ہے اور وانی سوارا جیسی رسم و رواج کو غیر انسانی سمجھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ آزادی کے نام پر مغرب میں جس طرح خواتین کو اشتہاری جنسی بنا دیا گیا ہے اس کی بھی مخالفت کرتی ہے۔ [۱۴]

نسیم سیّد (۱۹ر فروری ۱۹۴۷ء) اردو کی نئی بستیوں میں آباد خاتون قلم کاروں میں ایک نمایاں اور معتبر نام ہے۔ ہندوستانی مٹی میں گُندھی، پاکستان کی ہواؤں میں پلی بڑھی یہ ادبی شخصیت اب دیارِ مغرب میں کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں مقیم ہیں۔ نسیم سید کی شاعری اور نثر میں تانیثیت کے واضح عناصر ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے عورت کے حقیقی وجود کی تسلیمیت پر زور دیا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں عورت کے فطری دکھ درد اور کرب کو بیان کیا ہے جو اسے معاشرے کی بقا کے لیے سہنا پڑتے ہیں۔ انھوں نے عہدِ حاضر کے جنسی و صنفی ناہمواریوں پر مبنی سماجی رویوں پر کڑی تنقید کی ہے۔ عورت کی مجموعی صورت حال کی موثر عکاسی ان کی بیشتر نظموں میں ملتی ہے۔ اس ضمن میں ان کی نمائندہ نظموں میں "کچے دھاگے"، "سمجھوتہ"، "رسم من و تو"، "دیواروں کے پیچھے"، "ہم نے کچھ نہیں سنا"، "بدن کی اپنی شریعتیں ہیں" اور "تیلی بھر آگ" شامل ہیں۔ ان کے طرزِ اظہار میں جہاں نامساعد حالات کے خلاف احتجاج ہے وہیں جابرانہ نظام کو بدلنے اور صنفی تشخص کی بازیافت کا عزم بھی کار فرما ہے۔ لبرل تانیثی فکر کا عکس پیش کرتی ہوئی ان کی نظم "وجود کا اثبات" سے مثال ملاحظہ ہو:

میں اپنے ہونے کے اور نہ ہونے کے
مخمصے سے

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

نہ جانے کب کی
نکل چکی ہوں
تمھاری حد سے گزر چکی ہوں
یہ وقت کی ڈور ہے
جو جرخی سے میری
ہنس کے لپٹ رہی ہے
یہ رنگ جیسے، پتنگ جیسے
حسین موسم ہیں میری سوچوں کے
تال پر میری تال جو دیتے جا رہے ہیں
قدیم مردہ روایتوں، سازشوں
گھٹن، رہاں تمھاری
تمھیں مبارک
تمھاری حالک سرحدوں سے
نہ جانے کب کی
میں جا چکی ہوں[۱۵]

اکیسویں صدی میں نسیم سید کے دو شعری مجموعے "سمندر راستہ دے گا" (۲۰۱۸ء) اور "تیلی بھر آگ" (۲۰۲۰ء) منظر عام پر آئے جبکہ افسانوی مجموعے میں " جس تن لاگے" شائع ہو چکا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں جہاں سماجی نظام کی بدصورتی اور جبر و استحصال کو واضح کر کے اعلان بغاوت کرتی ہیں وہیں انھوں نے عورت کے لایعنی وجود کی بازیافت اور اس کی شناخت کا مقدمہ بھی بڑی خوبی سے لڑا ہے۔ انھوں نے اپنے گرد و پیش کو کھلی آنکھوں سے حقائق کی روشنی میں دیکھا ہے اور اسے بیان کرنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا ہے۔ خیر و شر کی اس تفہیم میں انھوں نے جو دیکھا، پرکھا، سمجھا اور محسوس کیا وہی تحریر کر دیا۔

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025

ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

حمیدہ شاہین (۲۶ جنوری ۱۹۶۳ء) کی شاعری میں مرد اپنی حرکات و سکنات اور خیالات کو آئینے کی طرح پرکھ سکتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں مردوں کو یاد دلاتی ہیں کہ عورت صرف انسان ہی نہیں، جذبات بھی رکھتی ہیں۔ اس کی شاعری روایت پرستی اور مردانہ شاونزم کے خلاف ہے اور جہاں تک ممکن ہو، ان حدود کی نشاندہی کرتی ہے جن سے آگے نسائیت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ ''دستک''، ''دشت الوجود'' اور ''زندہ ہوں'' ان کے مشہور اردو شعری مجموعے ہیں۔ حمیدہ شاہین کی نظموں میں عورت ایک ایسا کردار ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ یہی نکتہ ان کے علمبردار کی فکر کا غماز ہے۔ ان کے نزدیک پدرشاہی معاشرے میں عورت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا نہ ہی اس کی تکلیف کو قابلِ توجہ گردانا جاتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں مرد کی طرف سے عورت کے وجود، احساس اور اس کے سماجی پیکر کے حوالے سے غفلت اور اس لاپروائی کے احساس سے عورت کے اندر جنم لیتی اداسی حمیدہ شاہین کی نظم کا داخلی جوہر ہے۔ اس ضمن میں ان کی نظم ''اک بے دھیانی'' سے مثال ملاحظہ ہو:

میں ٹھنڈے توے کی روٹی ہوں
مجھے بے دھیانی میں ڈالا گیا
مجھے بے دردی سے پلٹا گیا
مرے کتنے ٹکڑے اکھڑ گئے
میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی
میں کسی چنگیر میں آ نہ سکی
میرا پینا، گندھنا اور جلنا
بے کار گئی میں ہار گئی
اک بے دھیانی مجھے مار گئی [16]

حمیدہ شاہین مرد سے یہ سوال کرتی ہیں کہ عورت کو اشتہارات کی زینت تو بنا دیا اپنے مفاد کی خاطر اس کا پرچار تو کرتے ہو لیکن اس کے حقیقی وجود کو تسلیم کرنے پر کیوں کتراتے ہو؟ اپنی تسکین اور اپنے دل کو بہلانے کے لیے عورت کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہو لیکن اس کو حقیقی اہمیت دینے سے کیوں ڈرتے ہو۔ وہ لکھتی ہیں کہ مرد عورت کے سراپے اور ظاہری حسن کو تو کافی حد تک چاہتا ہے لیکن اس کے اندر جھانک کر اس کے جذبات و احساسات کو سمجھنے اور قبول کرنے سے ڈرتا ہے:

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

میرے سخی نے خالی ہاتھ نہ لوٹایا ڈھیروں دکھ باندھے ہیں میری گٹھڑی میں
کون بدن سے آگے دیکھے عورت کو سب کی آنکھیں گروی ہیں اس نگری میں[۱۷]

وہ لکھتی ہیں کہ اس مردانہ معاشرے میں عورت کو بھی جینے کا مکمل حق دیا جائے، اس کی آزادی کو سلب نہ کیا جائے۔ اس کی فطری حیثیت کو قبول کر کے حقوق سے نوازا جائے۔ ان کی شاعری میں عورت کے صنفی وقار اور اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسے سماج میں زندہ رہنے کا درس بھی ہے اور مرد کو اس کے حقوق دینے کی ترغیب بھی موجود ہے۔ یوں وہ ایک ہی وقت میں استحصال کنندہ اور استحصال زدہ طبقے سے مخاطب ہیں:

وقت کی قید میں جُت رہیں گے تو مردہ گنے جائیں گے
اپنی زنجیر کی ہر کڑی میں بجیں، آؤ کچھ تو جئیں
تری آنکھ میری تقدیس کی شاہد ہے
باب حسن تو لکھا، باب عصمت لکھ[۱۸]

ڈاکٹر ثروت زہرا کی شاعری تانیثی نظریات سے عبارت ہے۔ انھوں نے شاعری کا آغاز نثری نظموں سے کیا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ بعنوان "جلتی ہوا کا گیت" غزلوں، نظموں اور گیتوں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں نہ صرف خانگی و معاشرتی زندگی میں سرگرم عورت کے جذبات و احساسات کو قلم بند کیا بلکہ صنف نازک کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے کے خلاف بھرپور احتجاج بھی کیا۔ ان کی نظم " بنت ہوا" میں ان کا مزاحمتی لب و لہجہ صنفی امتیاز اور تفریق کا غماز ہے:

میرا آنچل جلے اور میں چپ رہوں!!!
ظلم سہتی رہوں اور چپ رہوں
جانتی ہوں میرا بولنا جرم ہے
اور پھر شاعری تو کڑا جرم ہے
میرے جذبے رہیں دل کے زندان میں
میری گستاخیاں آپ کی شان میں[۱۹]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ثروت زہرا اس بدرسری معاشرے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں جہاں عورت اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار بھی نہیں کر سکتی۔ جہاں عورت نے اپنی پسند ناپسند کو اپنے دل تک محدود رکھنا ہے، زبان پر لانا اس کا جرم شمار کیا جائے جس کا خمیازہ عمر بھر اسے مختلف صورتوں میں بھگتنا پڑے گا۔ انھوں نے عورت کی اس مجبوری کو، بے بسی و بے کسی اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ اس تناظر میں ان کی غزل سے اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایک چپ کھائے گئی ہے مجھ کو　　آگہی ڈھائے گئی ہے مجھ کو
زندگی میرے سنورنے کے لیے　　درد پہنائے گئی ہے مجھ کو
بے خودی آپ تلک لائی تھی　　سو وہی لائے گئی ہے مجھ کو
آپ نے راکھ کیا اڑنے کو　　خاک دفنائے گئی ہے مجھ کو[۲۰]

ثمینہ تبسم، تانیثی فکر و اسلوب اور حد درجہ طرز احساس کی شاعرہ ہیں جو کینیڈا میں رہنے کے باوجود اپنی مٹی سے جڑی ہوئی ہیں جس کے ثبوت ان کی تحریروں میں جا بجا ملتے ہیں۔ ان کی شاعری میں صنفی استحصال کے متنوع مظاہرات ملتے ہیں۔ ملال، اضطراب اور احتجاج کے زاویے ان کی نظموں میں جا بجا اجاگر ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری میں مردانہ آمریت کے سماج میں مرد کی ہوس زدہ ذہنیت اور مکروہ عزائم کو بے نقاب کیا اس کے ساتھ ساتھ عورت کی بے وقعتی اور کم مائگی پر ردعمل اور جنسی استحصال کے خلاف بھرپور مزاحمت بھی ظاہر کی ہے۔ ان کی نظم "مائے ماں" میں ذاتی دکھ کی جھلک ہو یا ان کی نظم "جہالت" میں عورت پر نفسیاتی دباؤ کا الم، عورت کو موردِ الزام ٹھہرانے کی روش ان کی نظم "ناجائز" ہو یا نظم بعنوان "شادی" ہو جس میں محض مردانہ جنسی خواہشات کی تکمیل ہو سب میں عورت اور اس سے منسلک آلائم و مصائب کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی کرب و احتجاج میں ان کی رچی ہوئی نظم "ماں خوش کیوں نہیں ہے" عورت کی بے بسی اور جذبات و احساسات کی بہترین عکاسی کرتی ہے:

بابل نے بھائیوں نے
نو سال کی عمر میں
مجھ کو بیاہ دیا تھا
شادی شدہ ہوں لیکن
بابل کی چھاؤں میں ہوں

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

نہ کوئی ساس نندیں
سسرال بھی نہیں ہے
بس موج کر رہی ہوں
ماں پھر بھی خوش نہیں ہے
ناشکر کس قدر ہے
وہ آہ بھر کے مجھ کو
تکتی ہے کس لیے یوں؟
داماد ایسا کس کو ملتا ہے اس جہاں میں
دونوں جہاں سے بھاری
قرآن میرا خاوند ہے
جنت میرا ٹھکانہ ہے
ماں پھر بھی خوش نہیں ہے![۱۲]

ان کی لکھی گئی اس طرز کی مزاحمتی نظمیں نہ صرف عورت کی بے بسی، مجبوری و بے کسی کو ظاہر کرتی ہے بلکہ ساتھ ہی معاشرے کی جاہلیت، مرد کی ہٹ دھرمی کے خلاف اپنا احتجاج بھی ریکارڈ کرواتی ہیں۔ ان کی شاعری کا مطالعہ احساس ادراک کے بے شمار مناظر کو چشم و ذہن کے سامنے یوں عیاں کرتا ہے کہ قاری شکستگی اور کرب کے ساتھ ساتھ اس صنفی امالی پر خود بھی سراپا احتجاج ہو جاتا ہے۔

ثمینہ تبسم نے معاشرتی خباثتوں اور مجرمانہ رجحانات کی عکاسی ایسے پُراثر لب و لہجے اور جاندار انداز بیاں میں کی ہے کہ عصری منظر نامے پر بکھری ان بے بس روحوں کا الم پورے کرب کے ساتھ عیاں ہو جاتا ہے۔ ان کی بلند آہنگی اور بے باکی سے درد کی چادر اوڑھے، بے بسی کی المناک کرداروں کے داخلی و خارجی آلام کو بے نقاب کیا ہے۔ ثمینہ تبسم نے شاعری کو سماجی مداوا اور صنفی تشخص کی بحالی کے لیے ایک جرات مند اظہار اور شعوری کوشش کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے چار شعری مجموعوں؛ "نا جاند" ۲۰۱۴ء، "مٹی کی عورت" ۲۰۱۶ء، "عینی شاہد" ۲۰۱۷ء اور "میں آج کی عورت ہوں" میں صنفِ نازک کے مسائل بلکہ مسائل سے زیادہ اس کے کرب و الم، بے

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

بسی و مجبور اور بے کسی کو بیان کیا ہے۔ ان کی شاعری کی خاص بات یہ کہ انھوں نے جہاں عورت کے دکھ درد کا ذکر کیا ہے وہیں مرد کے ظلم و ستم کو بیان کرکے اسے بھی جرم کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔

دور حاضر کی شاعرہ **سدرا سحر عمران** کہانی نویس اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے زیادہ بطور نظم گو شاعرہ اپنی اہمیت منوانے میں کامیاب ہوئیں۔ انھوں نے تا [illegible] ب کے نقطۂ نظر سے لکھتے ہوئے عورت کی بے کسی اور مجبوری کی تصویر کشی نہیں کی بلکہ پدر سری معاشرے کی مکروہ ذہنیت اور اس کی چیرہ دستیوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "ہم گناہ کا استعارہ ہیں" میں مزاحمتی آہنگ بے باک اور تلخ بیانیہ ملتا ہے۔ مرد کے قول و فعل کے تلخ ترین تضاد کو نشانہ بناتے ہوئے انھوں نے اپنا طرزِ بیان بھی اتنا ہی شدید اور سفاک اپنایا ہے جو ان کی نظم "خوش خوراک بدن میں پڑھنے کو ملتا ہے۔

عورت پہننے کا فن ایسا ہی ہے
جیسے جوتوں کی دکان پر
مختلف رنگ، ڈیزائن اور کوالٹی کے جوتے پہن پہن کے دیکھنا
لیکن عورت پہننے کا فن سیکھ لینے کے بعد
مرد مرد نہیں رہتا
مردار ہو جاتا ہے [۲۲]

سدرا سحر عورت کی پستی، استحصال اور محرومی کا ذمے دار اس سماجی نظام کو ٹھہراتی ہیں جس نے مذہب اور جھوٹی و جعلی خود ساختہ اقدار کے نام پر عورت کی تذلیل کی ہے۔ ان کی نظم " ایک سفاک قہقہہ...(میں عورت ہوں)" ایسے ہی ظالم سماج اور دین و روایات کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے خلاف احتجاج اور شدید رد عمل کی ترجمان ہے۔

ساہ ہاتھوں والا مزدور
دیہاڑی کی میز پر زہر پھونک رہا تھا
ایک عورت کے بھونکنے کی آواز آئی
مرد دم ہلانے لگا
ننگی دیواروں کے بیچ

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ماسٹر ایک بچی کو
اپنے جسم کی تختی پر
لفظ "عزت" لکھنا سکھا رہا تھا
بچی ہنستے ہنستے کلہاڑی بن گئی
ماں کی پیکوں سے بھری جھگیوں میں
بدن کے سکے کھنک رہے ہیں
لیکن روٹی ابھی بھی مہنگی ہے[۲۳]

سدرہ سحر عمران ایسی بے باک اور نڈر شاعرہ ہے کو زندگی کی ہر منفی صورت حال سے ٹکرانا چاہتی ہے اور منفی عوامل کے اژدہام میں طہارت کی جستجو کرتی نظر آتی ہے۔ وہ گرد و پیش میں ہونے والے واقعات کو حقائق کی روشنی میں دیکھتی ہیں اور جیسا دیکھتی ہیں ویسا ہی بغیر کسی لگی لپٹی کے بیان کر دیتی ہیں۔ یہی حقیقت نگاری اور بے باک انداز بیان انھیں دیگر ہم عصر شاعرات سے ممتاز کرتا ہے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ اردو ادب نے بھی نثر [illegible] ب کو فروغ دیا بلکہ کہنا چاہیے کہ نثر بھی اس تحریک کے اثر سے بچ نہ پائی۔ اردو نثر نگاروں نے بھی عورت کے جذبات اور احساس کو اپنی تحریروں میں سمویا۔ اپنے آپ کو جاننے یا دوسروں کو اس بارے میں کیا ادراک ہے اس سے متعلق سعادت حسن منٹو نے کہا تھا:

"عورت خواہ بازاری ہو گھریلو خود کو اتنا نہیں جانتی جتنا اس کو مرد جانتا ہے۔"[۲۴]

موجودہ عہد میں یہ روایت ٹوٹ گئی ہے۔ اب خواتین مصنفین کے ہاں عورت کے بارے میں ہمارے معاشرتی و سماجی رویوں اور ان کے عورت پر اثرات ملتے ہیں۔ ان خواتین نے نہ صرف عورت کی مجبوریوں اور محرومیوں کا ذکر کیا بلکہ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عورتوں کے کردار کو بھی اجاگر کیا۔ عہد حاضر میں عورت کے خیالات، جذبات، اس کے رویوں کی ترجمان ایک لکھاری کا نام طاہرہ اقبال ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ اقبال پنجاب کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئیں جہاں مرد کا فیصلہ حرف آخر تھا فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج تو دور کی بات کوئی عورت اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ان کا پہلا مجموعہ "سنگ بستہ" ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آیا۔ ان کے افسانوں میں جہاں دیہات کی عکاسی ملتی ہے وہیں دیہاتی خاتون اور اس سے جڑے معاملات و مسائل

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کو اجاگر کرتی ہیں۔ "سنگ بستہ" کے بعد ان کے ناول اور افسانوں میں "ریخت"، "نیلی مار"، "گنجی مار"، "گراں" اور ۲۰۲۳ء میں "ہڑ ما" عورت کی ترجمانی کا مکمل عکس لیے ہوئے ہیں۔ ان کی تحریریں گو کہ عورت کی ترجمان ہیں لیکن انھوں نے مرد سے نفرت نہیں کی۔ اپنے افسانوی مجموعے "گنجی مار" کا انتساب انھوں نے اپنے والد کے نام کیا ہے۔ یہ انتساب اپنے اندر خود ایک کہانی ہے۔ بین السطور معانی میں نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ رہیں ہیں، مثال ملاحظہ ہو:

> ہر بات، ہر عمل، ہر موقعے پر ایک حکم، ایک ضابطہ، ایک حد، ایک تیسری آنکھ ساتھ لگی رہ گئی ہے... ابو جی! مر کر بھی آپ کی حکمرانی کی عادت نہ گئی۔[۲۵]

طاہرہ اقبال ایک بے باک اور حقائق کو کھرے انداز بیان کرنے والی افسانہ نگار ہیں ہیں۔ وہ عورت کو جہاں وڈروں اور امرا کے ہاتھوں کھلونا بنتے ہوئے دیکھتی ہیں وہیں اپنی تحریروں میں نچلے درجے کے لوگوں سے بھی عورت کا استحصال ہوتے ہوئے دکھاتی ہیں۔ مرد وہ وحشی ہے جس کو جہاں موقع ملے وہ عورت کے شکار سے نہیں چوکتا اس ضمن میں اس کی شکار گاہ بڑی حویلی بھی ہو سکتی ہے، کھیت کھلیان بھی، چار دیواری بھی اور مزارات بھی۔ اپنے افسانہ "ہڑ پہ کی چراوہی" میں وہ اس تمام صورت حال کو لکھتی ہیں:

> نوگزے کی قبر سے اٹھنے والا قلندروں، مستوں، ملنگوں کا لشکر نیزے، بلمیں، تیر تلواریں سونتے اس کے سر پر آن پہنچا تھا... لمبی جٹاؤں، داڑھی اور مونچھوں کی غلیظ کھال میں ڈھکے سائیں ماما نے ہرے چوغے کی آستینیں چڑھائیں اور ہنہناتے ہوئے گھوڑوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکا... " امامت میں کروں گا۔ تم سب جماعت کے واسطے صف بنا کر اقامت میں رہو"... جناں کی چیخیں کونڈی نما سیاہ ہاتھوں کے پیالے میں بجتی رہیں جن سے بھنگ کی وحشی بو اٹھتی تھی۔[۲۶]

غیرت کے نام پر مرد کے ہاتھوں عورت کا قتل ہونا مرد کی بہادری اور غیرت مندی کا تمغہ سمجھا جاتا ہے۔ جس مرد کے ہاتھوں اس کی بہن یا بیٹی کا قتل ہوا ہو اسے معاشرے میں عزت دار اور غیرت مند شمار کیا جاتا ہے۔ طاہرہ اقبال کی تحریریں اس گھناؤنے فعل کی نا صرف مذمت ملتی ہے بلکہ اس کے اثرات اور نتائج بھی پیش کرتی ہیں۔

> دادا جی نے دیکھا کہ پھوپھی جھری سے باہر جھانک رہی ہے تو پھر ... دادا جی مرحوم نے نہ کچھ دیکھا نہ پوچھا پستول نکالا، بھیجا اڑ کر لوہے کی سلاخوں سے جا چپکا اور پھر... نہ جنازہ نہ قبر، ہمارے

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

خاندان کی غیرت اللہ اللہ... "آگ بھی دلوار چنوادیں۔ سنا ہے اس دن کی لال آندھی آگ کی ہمشیرہ صاحبہ کو اڑا لے گئی تھی"، ملک گام کی بند آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔۔۔" اور سنا ہے کہ رحموں مسلی کے جھونپڑے میں لے جا پٹخا۔"[۲۷]

طاہرہ اقبال نے جہاں عورتوں کے معاشرتی مسائل کو بیان کیا ہے وہاں وہ ان کی جنسی و نفسیاتی گرہیں بھی کھولتی ہیں۔ ان کے ہاں عورت جنسی جذبے کو ایک فطری جبلت سمجھتی ہے۔ اس ضمن میں ان کے افسانے "ناگفتنی" اور "میں زندہ ہوں" قابل ذکر ہیں۔ ان کے ہاں ایسی عورتیں بھی ہیں جو نہ صرف اپنی جنسی تشنگی کو سیراب کرتی ہیں بلکہ اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے مختلف حربے بھی اختیار کرنا جانتی ہیں۔ "پکھی" کی معصومہ، "وچولن" کی گلزاری، "اسیر ان ذات" کی نومی ایسی ہی عورتیں ہیں جو اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے آخری حد سے گزرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔

"راحہ جی! میں ماہنہ پھڑائی کا سو روپیہ لیتی ہوں لے چھوڑی میں نے تیری ماہنہ اور تھوک دیا تجھ غلاظت کی ڈھیری پر تھو تھو... پر راحہ جی! ماہنہ پھڑ کے چھوڑنے کا تو میں دو سو لیتی ہوں اور چوڑیوں کا نقصان و کھرا اور پھر یہ ... اس نے اپنے ابھرے پھولے گال میں انگلی چبھوئی۔"[۲۸]

طاہرہ اقبال نے اپنی تحریروں میں یہ احاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ معاشرے میں بہت سے مرد اپنی ہوس کو عزت کا نام دیتے ہیں۔ کیا عورت کی زندگی اس قدر غیر اہم اور سستی ہے کہ مرد اس کی عزت سے کھیلتا رہے۔ مرد کی منٹ کی عیاشی عورت کی پوری زندگی کو تماشا بنا دیتی ہے۔ طاہرہ اقبال اس بات پر زور دیتی ہیں کہ جس طرح مرد کی عزت ہے اسی طرح ہر عورت کی بھی عزت ہے۔

چوہدری برچھی لہرا تا واپس پلٹا اور برچھی کی نوک بڑھا کر مانو کی کھڑکی کا پٹ مار دیا۔ چوہدری نے برچھی اچھال کر صحن میں پھینکی جو کہ کمر تک زمین میں دھنس کے کمادکے ماندے کی طرح لرزنے لگی۔ مانو اٹھی تو برچھی کی دھار سے لرزتے مدن کی تینوں بلبلا کر یکبارگی بیدار ہوئی۔ چوہدری نے حلق نگلتی گھر گھراہٹ تلوؤں تلے پیس ڈالی۔ وہ پوچھے تو کہنا صفدر اپھر کر چلا گیا تھا۔[۲۹]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

طاہرہ اقبال بنیادی طور پر دیہات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی کہانیوں میں بھی دیہاتی مرد و عورت کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔ ایسی بات نہیں کہ انھوں نے شہری عورتوں پر نہیں لکھا انھوں نے جہاں دیہات کی ان پڑھ عورتوں کی بے بسی کو اجاگر کیا ہے وہیں پڑھی لکھی عورتوں کے مصایب اور مجبوریوں کو بھی اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے۔

نانو قدسیہ کا نام اکیسویں صدی کی خواتین افسانہ نگاروں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انھوں نے خواتین کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لکھا۔ اپنے افسانوں میں انھوں نے عورت کے حقوق سے محرومی اور مردانہ معاشرے میں اس کی محکومیت پر روشنی ڈالی۔ وہ عورت کے مختلف روپ کو اپنی تحریر کے آئینے میں اتارتی ہیں۔ نانو قدسیہ نے خاص طور پر عورت کی ذات، شخصیت اور اس کے داخلی وجود کو نہ صرف سمجھنے کی کوشش کی بلکہ ان کے ہاں عورت کے وجود سے متعلق ان تمام سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی سعی بھی ملتی ہے جس سے عورت کی تفہیم میں مدد مل سکتی ہے۔ ان کے نظریات کسی مخصوص عورت سے متعلق نہیں ہیں بلکہ معاشرے کے ہر طبقے کی عورت کی تصویر کشی ملتی ہے۔ نانو قدسیہ کے غالب موضوعات میں سے ایک موضوع عورت کی مظلومیت اور اس کے جنسی حقوق کا استحصال ہے۔ وہ عورت ہونے کے ناطے عورت کے دکھوں، تکلیفوں اور مسائل سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے ان کے اکثر افسانوں میں عورت کی بے بسی کی بات ہوتی ہے۔ آج اگرچہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور تعلیم نے عورت کے شعور کو بھی بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن اس کے باوجود دیہات اور نچلے طبقے میں جہالت کے سبب آج بھی عورت پر اسی طرح کے مظالم روا رکھے جاتے ہیں۔ نانو قدسیہ کے افسانے میں ان مظالم کے خلاف ہلکی سی بغاوت اٹھتی محسوس ہوتی ہے۔ افسانہ ''سوغات'' نچلے طبقے کی عورت ''شربتاں'' کی بے بسی کی داستان ہے۔ جس کا شوہر ''تاجا'' ایک ٹرک ڈرائیور ہے وہ مختلف بازاری عورتوں سے تعلقات رکھ کر اپنی بیوی کی حق تلفی کرتا رہتا ہے۔ افسانہ ''موج محیط آب میں'' متوسط طبقے کی عورت ''مینا'' ہمارے سامنے آتی ہے جس کا جنسی استحصال شادی کی پہلی رات سے شروع ہو جاتا ہے۔ شوہر پہلی رات ہی اس سے اس انداز میں مخاطب ہوتا ہے:

> '' یہ مشرقی شادیاں بڑی تھکا دینے والی... اور احمقانہ ہوتی ہیں... آپ یہ گھوڑے کا ساز سب اتار دیں اور کوئی نائٹ سوٹ وغیرہ پہن لیں۔''[۳۰]

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

بانو قدسیہ نے دراصل عورت کی جسمانی ضرورت کو نظر انداز کرنے کے حوالے سے سوال اٹھایا ہے جب عورت کی جسمانی ضروریات کا خیال نہ رکھا جائے تو معاشرے میں بگاڑ لازمی ہے۔ جنس کا جذبہ زور آور اور شدید ہے اس تحت انسانی جبلت سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہو جاتی ہے چنانچہ شادی سے پہلے پانچ بچوں کے باپ قدیر سے تعلقات قائم کر لیتی ہے اور شادی کے بعد شوہر کے نیم پاگل ہونے کے باعث سسر سے جو کہ باپ کی مانند ہوتا ہے جسمانی تعلق کو بھی گوارا کرتی ہے کیوں کہ سسر کو پاگل بیٹے کا وارث چاہیے اور پھر آخر میں بیٹے کی پرورش کے بہانے شیخ صاحب سے تعلق قائم کرتی ہے۔ عورت کا یہ کردار بار بار ایسا کرنے پر اس لیے مجبور ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہمیشہ ادھوری رہی اور اس بات کو کوئی سمجھ نہ سکا۔ عورت ساری زندگی اپنی روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنے میں گزار دیتی ہے، پاگل شوہر تو اس کی جائز فطری خواہش پوری کرنے سے رہا۔ سو اسے اپنی حدود پامال کرنی پڑیں، اس بلیغ جملے سے عورت کی مجبوری اور فطری تقاضے کی خواہش کو سمجھا جا سکتا ہے:

> " میں اپنی ساس کو سمجھا نہیں سکتی تھی کہ جو رشتہ عزت بچانے سے شروع ہوا تھا وہ حمل ٹھہر جانے کے بہت دیر تک کیوں جاری رہا؟ کئی باتیں تاریخ کے واقعات کی طرح ہوتی ہیں ان کی کئی تاویلیں، کئی تھیوریاں تو ہو سکتی ہیں لیکن سچائی اور اصلیت تک پہنچنا قریب نا ممکن ہوتا ہے۔"[۳۱]

بانو قدسیہ عورت کو اس حد تک آزادی دینے کی قائل بھی نظر آتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا جیون ساتھی پسند کر لے اور اگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں کوئی تبدیلی آ گئی ہے تو اس کو یہ آزادی ہونی چاہیے کہ وہ بحیثیت انسان ہونے کے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر کے اسے چھوڑ بھی سکیں۔ اگر ان کو اپنے مستقبل کے لیے ماضی سے بہتر کوئی رشتہ ملے تو وہ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں۔ جیسے پہلے زمانے میں لڑکیوں کو کولہو کے بیل کی طرح کسی کے ساتھ بھی باندھ دیا جاتا ہے۔ آج کے اس ماڈرن دور میں لڑکیاں اپنے بہتر مستقبل کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ افسانے "جھکورا" میں صوبی نامی لڑکی جو اپنی برسوں کی منگنی صرف اس لیے توڑ دیتی ہے کہ اسے " منصور" نامی ڈاکٹر سے محبت ہو جاتی ہے۔ بانو قدسیہ منصور کی زبانی آج کل کی لڑکیوں کے جذبات کی ترجمانی یوں کرتی ہیں:

> عورتیں نہ بدلیں تو صدیوں نہیں بدلتی لیکن جب ان کا دل بدلتا ہے تو ایک پل بھی نہیں لگتا نہ صرف وہ اپنے نظریے، رائے یا سوچ بدل لیتی ہے بلکہ ان کا سارا رویہ ان کے تمام

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

Moleculeبدل جاتے ہیں جسم کے۔ [۳۲]

بانو قدسیہ کی عورت کو شوہر کے چھوڑنے کا ہر گز کوئی دکھ افسوس اور پچھتاوا نہیں بلکہ اسے اگر خوف ہے تو اپنی مظلومیت ظاہر ہونے کا۔ وہ ایک بہادر عورت ہے اور ان مشکلات کا سامنا کرنا بخوبی جانتی ہے۔ بانو قدسیہ کے ابتدائی اور بعد کے افسانوی مجموعے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بانو قدسیہ کے نسائی شعور نے بتدریج ارتقائی منازل طے کی ہیں اور انھوں نے عورت کے ظلم و ستم سے لے کر تعلیم یافتہ، خود مختار، آزاد عورت تک کے تمام مراحل کو بیان کیا ہے۔

رانی آکاش

اردو افسانے کے عصری منظر نامے پر جن خواتین مصنفین نے خواتین کے مسائل اور مصائب کو بے باکی اور بہادری سے اجاگر کیا ہے، ان میں سے ایک **رانی آکاش** بھی ہیں۔ ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ، ''لا = عورت'' ادب کی دولت سے مزین ہے۔ فکری طور پر، اس کے افسانے تحریک نسواں سے متاثر نظر آتے ہیں۔ خواتین کی حالت زار اور پدرانہ معاشرے میں ان کا مقام ان افسانوں کے مجموعوں کا ایک نمایاں موضوع ہے اور اسی مناسبت سے انہوں نے اپنے افسانوں کے مجموعے کا عنوان ''لا = عورت'' رکھا ہے۔ اپنے افسانوں میں رانی آکاش نے مردانہ تسلط والے معاشرے پر طنز کیا ہے، جہاں حقوق مردوں پر آتے ہیں اور فرائض خواتین پر آتے ہیں۔ رانی ان دوہرے معیارات سے خوفزدہ ہے اور وہ اپنے افسانوں میں انہیں موضوع بحث بناتی ہے۔ افسانہ ''گرتو گھم گسار ہوتا'' ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس کا شوہر، ایک ظالم، ہر طرح کی عیش و عشرت میں ملوث ہے۔ اور روایتی بیویوں کی طرح، امبرین اپنے شوہر کی ہر زیادتی اور بے وفائی کو صرف اس لیے برداشت کرتی ہے کہ ایک دن اسے اپنی ستی ساوتری بیوی کا احساس ہوگا اور وہ اس کے پاس واپس آجائے گا۔ وہ اپنے شوہر کی ان حرکتوں کو دیر تک صبر سے برداشت کرتی ہے۔ طویل عرصے تک عذاب میں رہنے کے بعد اس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ اپنے شوہر کی بے وفائی کا جواب بے وفائی سے دینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اور وہ اپنے شوہر کے دوستوں سے تعلقات بنانے لگتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اس دلدل میں دھنس جاتی ہے:

وہ کوڑے دان اور کوڑے کی طرح برباد ہونا چاہتی تھی۔ ضائع ہونے کا یہ احساس اسے سمیع

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کے قریب لے آیا جو اس کا ٹیلی فون دوست تھا۔ سمیع نے ٹھوس مٹی کی اس دیوار کو آدھا توڑ دیا، پھر احتشام، اور اسے یاد نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ [۳۳]

ہمارے معاشرے کی بے بس اور مظلوم عورت رانی آکاش کی کہانیوں کا مرکزی کردار ہے۔ وہ عورت جو اپنے گھر والوں اور پیاروں کی غربت سے تنگ آکر روزی کمانے کے لیے گھر چھوڑ دیتی ہے اس کی کہانیوں کا موضوع ہے۔ اس کی کہانی "سائباں" ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو گھر کے حالات سے تنگ آکر نوکری تو کر لیتی ہے لیکن اپنے باس کے نامناسب رویے کی وجہ سے اسے ہر کام چھوڑنا پڑتا ہے۔

اس کے فائل ورک نے باس کو خوش کیا اور اسی خوشی میں اس نے پانی سے بھرے دونوں ہاتھوں سے گالوں پر تھپکی دی! آج بھی اس کے گال جل رہے تھے اور ان ہاتھوں کی آگ اسے جلا رہی تھی۔ نتیجے کے طور پر، اس نے ایک ماہ اور پانچ دن کے بعد کام چھوڑ دیا۔ [۳۴]

رانی آکاش اپنی کہانیوں میں مذہبی انتہا پسندی کا بھی مذاق اڑاتی ہیں۔ وہ ڈھٹائی سے ان حساس مسائل پر بات کرتی ہیں جو خواتین کے لیے ممنوع سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی کہانی "جیسکا میری" ہمارے معاشرے کی مذہبی انتہا پسندی کو بے نقاب کرتی ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار "جیسکا میری" ایک عیسائی ہے، لیکن اس نے اپنی برادری سے خفیہ طور پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ تاہم، وہ مخالفت اور برادری کی جانب سے بائیکاٹ کے خوف کی وجہ سے اپنی تبدیلی کو تسلیم نہیں کرتی ہیں۔ جیسکا میری ایک اسکول ٹیچر ہے۔ ایک دن اس پر اسلامی تاریخ کی کتاب رکھنے کی وجہ سے اس پر توہین رسالت کا الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے اسلامیات کے مطالعے کے استاد کی غیر موجودگی میں اس خبر کو اتنا پھیلایا کہ ہر مسلمان اس کے خون کا پیاسا ہونے لگتا ہے۔ عوام کے جوش و خروش، خبر نگار کی چستی اور حکومتی مداخلت نے اس معاملے کو منظر عام پر لایا اور اسے ایجنٹ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہاں تک کہ جیسیکا میری کی متعدد وضاحتیں اور اسلام قبول کرنے کا اعتراف بھی انہیں لوگوں کے غصے اور ناراضگی سے نہیں بچا سکا۔ اس مظلوم عورت کی تصویر کشی یہاں موثر انداز میں کی گئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح جنسی خواہش اور ہوس کے بھوکے لوگ ایک بے بس عورت (خوب صورت عورت) کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انکوائری کے نام پر خواتین قیدیوں کی تذلیل کیسے کی جاتی ہے؟ افسانے میں اس کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے:

وہ مجھے مسلی کہتے رہے لیکن میرے ساتھ سونے میں شرم محسوس نہ کی۔ انہوں نے میری خوب صورتی کی تعریف کی لیکن انتہا پسندی میں انہوں نے مجھے بدکار عورت کہا۔ رات کی

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

تنہائی میں ''میری جانو ڈارلنگ'' ہوں اور سورج کی روشنی میں میں تعصب کو ہوا دینے والی
بنیاد پرست عورت ہوں۔[۳۵]

رانی آکاش کی کہانیوں کا انداز روانی اور سادہ ہے۔ وہ ایک حقیقت پسند ہے اور کہانی سنانے کے فن، اس کے ہنر اور افسانے کی دیگر فنی اور تکنیکی باریکیوں سے واقف ہے۔ اس لیے وہ سنجیدہ موضوعات کو آسانی کے ساتھ حل کرنے کے قابل ہے۔ وہ کہانی کا آغاز ایسے واقعات اور الفاظ سے کرتی ہے کہ قاری کہانی میں شامل ہو جاتا ہے اور پوری کہانی پڑھ کر چلا جاتا ہے۔

تانیثیت کے بارے میں اردو ادب میں ابتدا ہی سے لکھا جاتا رہا ہے۔ ہمیں یہ روایت ۲۱ویں صدی میں بھی ملتی ہے، جہاں ہمیں تجربہ کار اور نو آموز مصنفین دونوں اس حوالے سے لکھتے ہوئے ملتے ہیں۔ شاعری اور نثر دونوں میں عورتوں کے حقوق اور استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تانیثیت کے ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مشرق اور مغرب دونوں کی تہذیبوں اور سماجی اقدار میں بہت فرق ہے، لہٰذا ہمیں پیس ازم کے زمرے میں لکھی گئی تحریروں میں خواتین کے مطالبے کے حقوق کا جائزہ لینا چاہیے۔ مغربی خواتین جن آزادیوں اور حقوق کی بات کرتی ہیں وہ مشرقی خواتین کے تقاضوں کے برعکس ہیں۔ لہٰذا ایک مسلم معاشرے کی عورت، خاص طور پر پاکستانی معاشرے میں رہنے والی عورت کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اس تحریک کی وجہ سے اسے آزادی کا حق ملا ہے یا اس کے مذہب نے اسے حقیقی آزادی دی ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، قومی انگریزی لغت، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۱۹۹۱ء)، ص ۷۳۳

۲۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال، تنقیدی تصورات اور اصطلاحات، (فیصل آباد: مثال پبلیشرز، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۵۱

۳۔ سیمون دی بوار، عورت، مترجم: یاسر جواد، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۴

۴۔ کشور ناہید، عورت، خواب اور خاک کے درمیان، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۶

۵۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف، تانیثیت کے بنیادی مباحث: اقبال کا نقطہ نظر، مشمولہ تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، جولائی دسمبر ۲۰۱۹ء، ص ۲۶۰

۶۔ ڈاکٹر فاطمہ حسن (مرتب)، فیمینزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ فیمینزم اور ہم، (کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء)

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

۷۔ ڈاکٹر رانی بیگم و دیگر، An analytical study of some Urdu novels of the 21st Century مشمولہ Remittances Review، شمارہ جنوری ۲۰۲۴ء (جلد ۹، نمبر ۱)، ملاحظہ کیجیے: https://remittancesreview.com/menu-script/index.php/ remi ttances/article/ view/1456/ 871، رجوع کردہ: ۲۵/ جنوری ۲۰۲۵ء۔
۸۔ حقانی القاسمی، اکیسویں صدی کی نظم مشمولہ ادب کولاژ، (نئی دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۳۲۰
۹۔ کشور ناہید، سوختہ سامانی دل، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۴۱-۵۱
۱۰۔ ایضاً، ص ۷۷
۱۱۔ فہمیدہ ریاض، گلیاں، دھوپ، دروازے، مشمولہ فیمینزم اور ہم، مرتبہ: ڈاکٹر فاطمہ حسن، (کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۷۵، اشاعت دوم
۱۲۔ ڈاکٹر ثمینہ ندیم، اردو میں تانیثی تنقید، مشمولہ راوی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۰
۱۳۔ فہمیدہ ریاض، بدن دریدہ دیدہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۵۱
۱۴۔ ڈاکٹر صوفیہ یوسف، اردو ادب میں فیمینزم اور فہمیدہ ریاض، مشمولہ بازیافت، اورینٹل کالج میگزین، شمارہ نمبر ۲۹، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۵۲
۱۵۔ نسیم سید، تیلی بھر آگ، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۲۰ء)، ص ۳۷
۱۶۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، (لاہور: ملٹی میڈیا افیرز، ۲۰۱۰ء)، ص ۸۷
۱۷۔ ایضاً، دست وجود، (ایضاً، ۲۰۰۶ء)، ص ۳۰
۱۸۔ ایضاً، ص ۴۲
۱۹۔ ثروت زہرا، جلتی ہوا کا گیت، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۲۱
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۲۱
۲۱۔ ثمینہ تبسم، نیا چاند، (لاہور: اظہار سنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۲-۲۳
۲۲۔ سدرا سحر عمران، ہم گناہ کا استعارہ ہیں، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۶ء)، ص ۳۲
۲۳۔ ایضاً، ص ۵۵
۲۴۔ سعادت حسن منٹو، دیباچہ مشمولہ نگار خانہ، از دامودر گپت، مترجم: میراجی، (لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۴ء)، ص ۸
۲۵۔ طاہرہ اقبال، انتساب مشمولہ گنجی بار، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۳
۲۶۔ طاہرہ اقبال، ہڑپہ کی چرواہی، مشمولہ زمین رنگ، (ایضاً، ۲۰۱۴ء)، ص ۹۳-۹۴
۲۷۔ طاہرہ اقبال، ریخت، (ایضاً، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۶
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۴۹
۲۹۔ ایضاً، گنجی بار، ص ۶۲
۳۰۔ بانو قدسیہ، موج محیط آب میں مشمولہ توجہ کی طالب، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۳۶-۱۳۵
۳۱۔ بانو قدسیہ، انتر ہوت اداسی، ایضاً، ص ۲۱۸

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۲۔ بانو قدسیہ،جھکورا، مشمولہ ناقابل ذکر،(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۱۴
۳۳۔ رانی آکاش،لا: عورت،(لاہور: عکس پبلی کیشنز،۲۰۲۱ء)، ص ۹۴
۳۴۔ ایضاً، ص ۲۰۷
۳۵۔ ایضاً، ص ۷۶

مآخِذ

۱۔ آکاش،رانی،لا: عورت،لاہور: عکس پبلی کیشنز،۲۰۲۱ء
۲۔ اقبال،طاہرہ،انتساب مشمولہ گنجی بار،اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء
۳۔ ______،ہڑپہ کی چرواہی، مشمولہ زمین رنگ،______،۲۰۱۴ء
۴۔ ______،ریخت،______،۲۰۱۰ء
۵۔ القاسمی، حقانی،اکسوِیں صدی کی نظم مشمولہ ادب کے لاؤ، نئی دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
۶۔ بوورا، سیمون دی(Bouvoire, Simone De)،عورت،(The Second Sex)،مترجم: یاسر جواد، لاہور: فکشن ہاؤس،۱۹۹۹ء
۷۔ تبسم، ثمینہ،نیا چاند،لاہور: اظہار سنز، ۲۰۱۴ء
۸۔ حسن،فاطمہ،ڈاکٹر (مرتب)،فیمینزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ فیمینزم اور ہم، کراچی: وعدہ کتاب گھر،۲۰۰۵ء
۹۔ ریاض، فہمیدہ، گلیاں، دھوپ، دروازے، مشمولہ فیمینزم اور ہم، مرتبہ: ڈاکٹر فاطمہ حسن،______، ۲۰۱۳ء، اشاعت دوم
۱۰۔ ______،بدن دریدہ دیدہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء
۱۱۔ زہرا، ثروت،جلتی ہوا کا گیت، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳ء
۱۲۔ سید، نسیم،تیلی بھر آگ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۲۰ء
۱۳۔ شاہین، حمیدہ،زندہ ہوں، لاہور: ملٹی میڈیا افیرز، ۲۰۱۰ء
۱۴۔ ______،دست وجود،______،۲۰۰۶ء
۱۵۔ عمران،سدرا سحر،ہم گناہ کا استعارہ ہیں، لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۱۶ء
۱۶۔ قدسیہ،بانو،موج محیط آب میں مشمولہ توجہ کی طالب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء
۱۷۔ ______،انتر ہوت اداسی،______
۱۸۔ ______،جھکورا، مشمولہ ناقابل ذکر، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء
۱۹۔ کمال، محمد اشرف،ڈاکٹر،تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات، فیصل آباد: مثال پبلیشرز،۲۰۱۶ء
۲۰۔ منٹو،سعادت حسن،دیباچہ مشمولہ نگار خانہ،از دامودر گیت،مترجم: میراجی، لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۴ء
۲۱۔ ناہید، کشور،عورت، خواب اور خاک کے درمیان، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء
۲۲۔ ______،سوختہ سامانی دل، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

رسائل و جرائد

۱۔ بازیافت، شمارہ نمبر ۲۹، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور
۲۔ تحقیق، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، جولائی دسمبر ۲۰۱۹ء
۳۔ راوی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۸ء

لغت

۱۔ قومی انگریزی لغت، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۱۹۹۱ء

ویب سائٹ

https://remittancesreview.com/

Bibliography:

1. Aakash, Rani, *La: Aurat*, Lahore: Aks Publications, 2021.
2. Iqbal, Tahira, *Intesab* in *Ginji Bar*, Islamabad: Dost Publications, 2016.
3. ____, *Harappa ki Charwahi* in *Zameen Rang*, ____, 2014.
4. ____, *Reekht*, ____, 2010.
5. Al-Qasimi, Haqqani, *Ikkesvin Sadi ki Nazm* in *Adab Collage*, New Delhi: Arshia Publications, 2014.
6. Bouvoire, Simone De, *Aurat*, (The Second Sex), Trans. by Yasir Jawwad, Lahore: Fiction House, 1999.
7. Tabassum, Samina, *Naya Chand*, Lahore: Izhar Sons, 2014.
8. Hasan, Fatema, Dr., (Ed.), *Feminism aur Pakistan Aurat* in *Feminism aur Hum*, Karachi: Wada Kitab Ghar, 2005.
9. Riaz, Fahmida, *Galyan, Dhoop, Darwazey* in *Feminism aur Hum*, Ed. by Dr. Fatema Hasan, Karachi: ____, 2013, 2nd Ed.
10. ____, *Badan Durida*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2011.
11. Zehra, Sarwat, *Jalti Hawa ka Geet*, Karachi: Academy Bazyaft, 2003
12. Syed, Naseem, *Teeli bhar Aag*, Faisalabad: Misal Publishers, 2020.
13. Manto, Sa'adat Hasan, *Foreword* in *Nigarkhana*, By Damudar Gupt, Trans. by Meera Ji, Lahore: Book Home, 2004.
14. Shahee, Hameeda, *Zinda Hun*, Lahore: Multimedia Affairs, 2010.
15. ____, *Dast-e-Wujood*, ____, 2006.
16. Imran, Sidra Sahar, *Hum Gunah ka Iste'ara hain*, Lahore: Fiction House, 2016.

17. Qudsia, Bano, *Mauj Muheet Aab mein in Tawajju ki Talib*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2010.
18. ____, *Antar Hout Udasi*, ____.
19. ____, *Jhakora in Naqabil-e-Zikr*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2013.
20. Kamal, Muhammad Ashraf, Dr., *Tanqeedi Theory aur Istelahat*, Faisalabad: Misal Publications, 2016.
21. Naheed, Kishwar, *Aurat, Khwab aur Khaak kay darmiyan*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1995.
22. ____, *Sokhta Samani-e-Dil*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2002.

Magazines

1. Bazyaft, No. 29, Jul-Dec. 2016, Oriental College, University of Punjab, Lahore.
2. Tehqiq, Jul-Dec, 2019, Dept. of Urdu, University of Sindh, Jamshoro.
3. Ravi, 2008, Govt. College, Lahore

Dictionary

1. *Qaumi Angrezi Lughat*, Ed. by Dr. Jameel Jalibi, Islamabad: Urdu Language Authority, 1991.

Website

1. https://remittancesreview.com/